''اُس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی!''

سید محمد کفیل بخاری

میرے مُنّے بھائی، سید محمد ذوالکفل بخاری کو جنت المعلیٰ میں گئے تین ماہ گزر گئے ہیں۔ ۱۵/ نومبر ۲۰۰۹ء کی شام اُس کی شہادت کی خبر بوڑھے والدین، بھائی بہنوں اور خاندان کے تمام افراد پر بجلی بن کر گری۔ ذوالکفل کے بچپن، لڑکپن اور جوانی کے حسین مناظر بڑی تیزی سے نظروں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ایسے لگا کہ کوئی خواب تھا......حسین خواب...... جسے ہم سب جاگتے میں دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک دھماکہ ہوا، سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گیا اور خواب ادھورا رہ گیا۔

ہاتھوں میں دے کے ہاتھ ابھی کل کی بات ہے
وہ چل رہے تھے ساتھ ابھی کل کی بات ہے

ذوالکفل کو نانی اماں جیؒ نے گھُٹی دی۔ بڑے ماموں جیؒ (مولانا سید ابوذر بخاری) نے اُس کے کانوں میں اذان و اقامت کہی اور ابا جی نے بڑی چاہت اور محبت سے اس کا نام اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے نام پر رکھا۔ دو بھائیوں اور تین بہنوں پر مشتمل ہمارے خاندان میں ذوالکفل سب سے چھوٹا، سب کا لاڈلا اور سب سے ذہین تھا۔ ہم سب اُسے پیار سے ''مُنّا'' کہہ کر بلاتے تھے۔ لیکن ''مُنّا'' اپنی شخصیت کی شش جہات میں ایک منفرد اور باکمال شخص تھا:

دہر میں انتخاب تھا وہ شخص
آپ اپنا جواب تھا وہ شخص

ذوالکفل نے بڑی برق رفتاری سے اپنا تعلیمی سفر مکمل کیا۔ ڈگریوں کے انبار لگا دیے۔ کالج میں پروفیسر ہوگیا۔ شادی ہوئی، اللہ نے دو بیٹے اور ایک بیٹی دی۔ لیکن ڈیڑھ ماہ بعد فروری ۲۰۰۹ء میں بیٹی کا انتقال ہوگیا۔ اس نے کمال صبر و حوصلہ سے خود ''مزملہ'' کو لحد میں اتارا۔

ذوالکفل، گلشنِ بنی ہاشم کا وہ پھول تھا جو بزرگوں میں مہکا، دوستوں میں چہکا، بچوں میں چٹکا، کامیابیوں کو مسخر کیا، کچھ دیر ستایا، تلووں کو سہلایا اور دوڑ کر منزل کو جالیا۔ یوں چالیس برس پلک جھپکنے میں گزر گئے۔

بچپن سے اپنی شہادت تک گھر میں اور گھر سے باہر ہر محفل میں چھایا رہا۔ اپنے علم و عمل، تقویٰ و خلوص اور نیک نیتی کی بنیاد پر ہر جگہ منفرد اور ممتاز نظر آیا۔ بزرگ ہوں یا خورد، دوست ہوں یا دشمن، سب کی خواہش یہی ہوتی کہ......

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

اس نے سکول کے ابتدائی زمانۂ تعلیم میں اپنے نانا ابا حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت پر روشن ستارہ کے عنوان سے ایک تقریر لکھی اور دارِ بنی ہاشم میں منعقدہ ایک تقریب میں پڑھ کر سنائی۔ میں نے اس کی تقریر میں بزرگوں اور عام سامعین کو روتے دیکھا۔ تب میں کالج میں بی اے کا طالب علم تھا۔ مجھے ایک مباحثے میں تقریر کرنا تھی۔ میں نے تقریر کے نوٹس تیار کیے اور ذوالکفل سے کہا: یار اسے دیکھ کر درست کر دو، اُس نے بلا تأمل اُسے درست کر دیا۔

وہ ایسا بھائی تھا کہ زندگی بھر کبھی اس سے شکوہ نہیں ہوا۔ وہ میرا بازو تھا، میرا دوست تھا، میرا محسن تھا، میرا مصلح تھا۔ عمر کے اعتبار سے میرے اور اُس کے درمیان بارہ برس کا فاصلہ تھا لیکن علم و عمل میں وہ مجھ سے صدیوں آگے تھا۔ اس نے میرا بے پناہ احترام کیا اور مجھ پر مکمل اعتماد کیا۔ اپنے کئی معاملات میرے سپرد کیے ہوئے تھے۔ چھوٹے بھائی، بڑے بھائی سے فرمائشیں کر کے اپنی خواہشات پوری کیا کرتے ہیں، لیکن یہاں معاملہ ہی برعکس تھا۔ اس نے تو والدین سے بھی کبھی کوئی فرمائش نہیں کی۔ کسی سے کوئی لڑائی نہ جھگڑا۔ وہ کہا کرتا کہ:

''اللہ تعالیٰ ایک بار ہی زندگی عطا کرتے ہیں۔ بار بار تو ملتی نہیں۔ ایسے گزارو کہ کسی کو آپ سے شکوہ پیدا نہ ہو۔''

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

جب وہ بچہ تھا تو بازار سے متعلق گھر کے اکثر کام مجھے کرنے پڑتے۔ وہ بڑا ہوا تو سارے کام اس نے سنبھال لیے۔ جس خوشی اور وارفتگی سے وہ گھر کے کام کرتا سب اس پر رشک کرتے۔ جولائی ۲۰۰۲ء میں سعودی حکومت کی طرف سے محکمۂ تعلیم میں ''اساتذہ کی ضرورت'' کا ایک اشتہار اخبار میں آیا تو مجھ سے کہنے لگا۔ ابا جی اس بڑھاپے میں بھی مزدوری کر کے ہمیں رزقِ حلال کھلا رہے ہیں۔ مہنگائی منہ زور ہو رہی ہے اور مستقبل میں ملک کے معاشی حالات مزید خراب ہوں گے۔ میں اگر سعودیہ چلا جاؤں تو گھر کے اخراجات میں ابا جی کا ہاتھ بٹ جائے گا۔ تب وہ دن کو گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی میں انگریزی پڑھاتا اور شام کو پنجاب کالج میں اردو۔ کالج انتظامیہ کو ایک باصلاحیت اور دیانت دار ملازم ہاتھ لگ گیا اور اُس نے ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ اُس پر ڈال دیا کہ رات گئے گھر واپس لوٹتا۔ امی تو اُس کی واپسی کا انتظار کرتی ہی تھیں میں بھی اس کے انتظار میں بے چین ہو جاتا۔ اس کے واپس لوٹنے تک سوسو وہم دماغ پر مسلط رہتے۔ وہ گھر پہنچتا تو دل کو قرار ملتا۔ میں نے کہا یار تمھیں موقع ملتا ہے تو ضرور جاؤ۔ وہ انٹرویو میں کامیاب ہو گیا۔ امی نے اپنی ڈائری میں لکھا ہوا ہے کہ ۷ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ ۱۵ ستمبر ۲۰۰۲ء بروز اتوار تقریباً ساڑھے چار بجے صبح منا سعودی عرب روانہ ہوا۔ مجھے یاد ہے میں اُسے رخصت کرنے کے لیے اسلام آباد اس کے ساتھ گیا۔ ہوائی اڈے پر الوداع ہوتے وقت معانقہ کیا تو میں نے فرطِ جذبات میں اس کی گردن کا بوسہ لیا۔ میں زندگی میں سب سے زیادہ اُداس اس دن ہوا۔ ذوالکفل سعودی عرب چلا گیا اور میں آنسو پونچھتا ہوا لاہور آ گیا۔ اگلے دن اس نے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع فون پر دی لیکن میں ایک ہفتے بعد اس کیفیت سے باہر نکلا۔

سال بعد آنا اور پھر چلے جانا اُس کا معمول بن گیا تھا۔ ہر دفعہ میں اُسے چھوڑنے اور لینے جاتا اور اِسے اپنے لیے

اعزاز سمجھتا۔ آخری بار وہ آیا تو چھ مہینے ہمارے پاس رہا۔ یہ بہت یادگار دن تھے۔ اس نے اپنے جی کی ساری باتیں مجھ سے کہیں۔ گھریلو معاملات، بچوں کی تعلیم و تربیت، مستقبل میں تحریکی اور دعوتی کام، مختلف اشاعتی منصوبے، مدارس کے انتظام میں بہتری اور نہ جانے کتنے معاملات تھے جن پر اُس نے میرے ساتھ گھنٹوں گفتگو کی۔ مکہ اور مدینہ میں قیام اُس کی آرزو تھی۔ حرمین کی محبّت اُسے بے چین کیے ہوئے تھی۔ وہ چھ برس تبوک کے علاقے میں ''اُملج'' کے شہر میں رہا۔ کوئی پوچھتا کہ کیا کرتے ہو؟ کہتا، عربی بچوں کو انگریزی پڑھاتا ہوں۔ اب اُس نے سفید کپڑے پہننا شروع کر دیے تھے۔ وہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ حسین لگتا تھا۔ جس دن وہ آخری مرتبہ ہم سے رخصت ہوا اُس دن بھی یہ حسین پیکر سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ میں نے ایک بے چین کر دینے والا خواب دیکھا تھا، ڈرتا تھا کہ کہیں مجھے منّے کی تعزیت نہ وصول کرنی پڑے۔ لاحول اور استغفار پڑھتا، لیکن دھڑ کا سا لگا رہتا۔ دُعا کرتا اللہ منّے کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

۲۰۰۶ء میں اُس نے جناب سید ابوالخیر کشفیؒ کو ایک خط میں لکھا:

''یہاں سرزمینِ حجاز پر اُترے مجھے چار سال گزر گئے۔ اس مدار میں پہنچ تو گیا لیکن ابھی تک ''منزل'' پر نہیں پہنچا۔ ''بس ایک سودا اور ایک سر ہو کسی کے گیسوئے عنبریں کا'' کا سا معاملہ ہے۔ اللہ پاک نصیب فرمادیں۔''

یہ خط میں نے اُس وقت بھی پڑھا لیکن ''منزل'' سمجھ نہ آئی۔ اقبال کو پڑھا تو اُس نے ذوالکفل کی منزل سمجھا دی:

اوروں کو دیں حضور! یہ پیغامِ زندگی
میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں

ذوالکفل، ایسا بھائی تھا کہ جس کی صلاحیتوں پر میں رشک کرتا۔ اس کی تحریروں کو پڑھنے کا انتظار کرتا۔ اپنی تحریروں کی اُس سے اصلاح لیتا۔ اس کی تمام خوبیوں کا اعتراف اس کی زندگی میں برملا کرتا۔ وہ ہمیشہ دھیمے، نرم اور محبت بھرے لہجے میں بات کرتا۔ میں کبھی کسی بھائی کو بھائی سے لڑتے دیکھتا تو حیران ہو کر خود اپنے آپ سے سوال کرتا کہ بھائی بھی آپس میں لڑتے ہیں؟ کیونکہ میں اس مشقِ ستم سے عمر بھر نا آشنا رہا۔ اس لیے کہ میرا بھائی لڑاکا، جھگڑالو اور ضدی نہیں تھا۔ وہ بہت پیارا اور محبت کرنے والا بھائی تھا۔ میرا بھائی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر مرحوم کے شعر کی ہو بہو تصویر تھا۔

لوکاں دے نال رکھ فقیرا ایسا بہن کھلون
کول ہوویں تے ہسن سارے، دور ہوویں تے رون

ذوالکفل کی یادوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے اخلاق و کردار اور خلوص و ایثار کی خوشبو، یقین وایمان اور فکر و نظر کی خوشبو...... لیکن عطاء المکرِم اور عطاء المنعم میں اس کی خوشبو مجھے اکثر تڑپا کے رکھ دیتی ہے۔ ذوالکفل زندہ تھا، یہ بچے تب بھی مجھے تایا ابو کہتے تھے۔ میں خوشی سے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ اب آواز دیتے ہیں...... تایا ابو...... تو میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ میں اپنی چیخوں کو بڑی مشکل سے روکتا ہوں۔ اکثر اوقات ضبط کا بندھن ٹوٹ جاتا ہے۔ کہیں اکیلے میں بیٹھ کر خوب رو لیتا ہوں۔ آنسو پونچھ کر عطاء المکرِم اور عطاء المنعم کو پیار کر لیتا ہوں۔ وہ پھر اپنے ''بابا جان'' کی باتیں سنانے لگ

جاتے ہیں اور میں......

ناشتے کے وقت، مسجد میں نماز کے وقت، دوست احباب کی آمد پر، ہر طرف اُس کے نقوش ثبت ہیں۔ سوچتا ہوں:

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں

دارِ بنی ہاشم کی لائبریری میں اُس نے بہت وقت گزارا۔ یہاں اس کی محفل جمتی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں نے یا کسی دوست نے کوئی سوال پوچھا: یہ بات کس کتاب میں ملے گی؟ یہ مسئلہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ کتابوں پر ایک اچٹتی نظر ڈالتا اور کہتا وہ سامنے والی کتاب اٹھائیں۔ کتاب کھولی اور حوالہ پڑھ کر سنا دیا۔ لائبریری میں بیٹھے ہوئے اکثر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ہنستا مسکراتا دروازے سے داخل ہو رہا ہے۔ کتابوں پر نظر ڈالتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے وہ بھی فراقِ ذوالکفل میں غم زدہ ہیں۔

جی چاہتا ہے، ذوالکفل ملے تو اُس سے کہوں، منے!

کبھی تو آؤ، کبھی تو بیٹھو، کبھی تو دیکھو، کبھی تو پوچھو
تمھاری بستی میں ہم فقیروں کا حال کیوں سوگوار سا ہے

پھر سوچتا ہوں کہ وہ یہ کہہ کر ہمیشہ کی طرح ہمیں چپ کرا دے گا۔:

مرے عزیزو، مرے رفیقو! کوئی نئی داستان چھیڑو
غمِ زمانہ کی بات چھوڑو، یہ غم تو اب سازگار سا ہے

ذوالکفل، اپنی ذات میں ایک مکمل شخص تھا۔ ایسا وسیع المطالعہ کہ جب چاہو، جو چاہو پوچھو اور جواب باحوالہ پاؤ۔ تفسیر وحدیث، فقہ وتاریخ، سیرت وسوانح، شعروادب، سیاست وحکومت، معیشت واقتصاد ہر موضوع پر ہمہ وقت حاضر باش۔ سیرتِ طیبہ سے اُسے خاص انس تھا۔ خود مجھے کئی بار اس طرف متوجہ کیا اور بعض اہم کتابیں تجویز کرتے ہوئے کہا کہ:

''سیرتِ طیبہ اور سیرتِ اصحاب وازواجِ رسول علیہم الرضوان مستقل مطالعہ میں رکھیں۔ اپنے خطاب و بیان میں سیرت کو اہمیت دیں۔ اس سے گفتگو میں برکت ہوتی ہے اور سامعین پر اثر ہوتا ہے۔ ایک مسلمان بھی راہِ راست پر آ جائے اور سچا مسلمان بن جائے تو ہماری دنیا وآخرت سنور جائے گی۔ یہ مشورہ اکثر اپنے دوستوں کو بھی دیتا تھا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت سے دوری نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا ہے اور مغربی دنیا کی یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ مسلمان اس وقت تک کفر کو شکست نہیں دے سکتے جب تک ان کے اعمال سنت کے مطابق نہیں ہو جاتے۔''

یہ فیض اُسے اپنے ماموؤں، حضرت مولانا سید ابوذر بخاری اور مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہما اللہ کی صحبتوں سے ملا۔

ذوالکفل نے عید الفطر ہمارے ساتھ دارِ بنی ہاشم میں ادا کی ۵/شوال ۱۴۳۰ھ، ۱۵/ستمبر ۲۰۰۹ء کو نماز جمعہ ادا کر کے وہ احاطۂ بنی ہاشم مکہ مکرمہ جانے کے لیے روانہ ہوا۔ اکتوبر کے اوائل میں طائف میں پاکستانی کمیونٹی نے ایک تقریب میں خطاب

کے لیے اسے مدعو کیا۔ اُن دنوں گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے پاکستانی آئین سے قانون توہینِ رسالت ختم کرنے کی ہانکی تھی۔ ذوالکفل یہ پڑھ کر بے چین اور مضطرب تھا۔ ''تہذیبوں کے تصادم'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا:

''المیہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی امت کا تعلق توڑا جا رہا ہے۔ ہم سے ہماری تہذیب واخلاق چھینے جا رہے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب علیہم الرضوان کی جوتی کو لگی مٹی ساری دنیا سے افضل ہے۔ میں کسی کو اس کے برابر نہیں سمجھتا۔''

کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلۂ گردوں نورد اک مشتِ خاکستر میں تھا

ذوالکفل نے اپنی نعت میں جس خواہش وآرزو کا اظہار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے شرفِ قبولیت بخشا:

ادادارِ نبوت — میری اتنی سی گزارش ہے
مری اپنے ادافہموں سے نسبت خاص کر دیجیے
مجھے سچوں، بھلوں، پاکیزہ تر لوگوں کے قدموں میں
جگہ دیجیے!
مجھے میری ہی دنیا میں قوی و معتبر کیجیے
یہ دنیا آپ ہی کی ہے
مرے مولا محمد
مرے سچے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم)

لعلِ بنی ہاشم دارِ بنی ہاشم سے اُٹھا اور دوڑ کر جنت المعلیٰ کے احاطۂ بنی ہاشم میں اپنی نانی اماں ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے سکون واطمینان کی نیند سو گیا۔ ذوالکفل کی دعا قبول ہوئی...... اس کی خوشی بے کراں ہے...... اس کی نسبت خاص ہوگئی...... وہ دنیا میں معتبر ہوا...... اور آخرت میں بھی پاکیزہ تر ہستیوں کے قدموں میں پہنچ گیا...... آلِ نبی اولادِ علی اور خونِ حسین اپنے اجداد سے جاملا...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ شفقت نصیب ہوگئی...... اور شفاعت کا مستحق بن گیا۔ مکہ کی مٹی اسے کیوں اپنی طرف کھینچتی تھی؟ وہ مکہ کی طرف کشاں کشاں کیوں دوڑ رہا تھا؟ اقبال کی زبان میں پڑھ لیجیے!

اُس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی